خطباتِ قائدِ اعظمؒ

تدوین و تہذیب
رئیس احمد جعفری (ندوی)

شعاعِ ادب لاہور

صفحہ	عنوانات
۵۲۲	صرف پاکستان!
۵۲۷	جامعہ ملیہ میں ایک تقریر
۵۳۰	مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ کرو
۵۳۷	اہلِ انگلستان سے خطاب
۵۴۲	اہلِ امریکہ سے خطاب
۵۴۶	لندن میں ایک تقریر
۵۵۰	قاہرہ میں ایک تقریر
	سنہ ۱۹۴۷ء
۵۵۶	سوداگروں اور تاجروں سے خطاب
۵۶۱	ہندوستان تقسیم ہو گیا
۵۶۷	لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے خطاب
۵۷۳	پاکستانی قوم سے خطاب
۵۷۷	جب خون کا دریا بہہ رہا تھا،
۵۸۳	ممالکِ اسلامیہ اور پاکستان کے باشندوں سے خطاب
	سنہ ۱۹۴۸ء
۵۸۶	کراچی کا فساد
۵۸۹	گاندھی جی کا قتل
	باشندگانِ سرحد کو انتباہ
۵۹۶	کراچی کے اراکینِ تجارت میں تقریر

قائداعظم کے معتمد رفیقِ کار

خواجہ ناظم الدین

کے نام

کعبہ سے اِن بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی

قائدِ اعظم کا پیام

جو دونیِ فطرت سے نہیں لائقِ پرواز
اس مرغکِ بیچارہ کا انجام ہے افتاد
ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا
ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیّاد
اس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

پاکستان کا الہام

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز
اس کے نفسِ گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاکِ چمنستان شرر آمیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سحر خیز!
اس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز

اقبالؔ

فہرست عنوانات

صفحہ	عنوانات
	قائدِ اعظم ... ...
	پاکستان کا الہام ... ...
	قائدِ اعظم اکیڈیمی کیوں نہیں ؟ ... ...
	حرفِ آغاز ... ...
	سنہ ۱۹۱۳ء
	جب کانگرس انقلاب کے نام سے ڈرتی تھی ... ...
	سنہ ۱۹۱۵ء
	مسلمان جداگانہ قوم ہیں ، ... ...
	سنہ ۱۹۱۶ء
	میثاق لکھنؤ ... ...
	سنہ ۱۹۲۵ء
	ابھی اُمید باقی تھی ... ...
	سنہ ۱۹۲۶ء
	دستِ تعاون جو جھٹک دیا گیا۔ ... ...

عنوانات — صفحہ

سنہ ۱۹۲۷ء

ہندو مسلم اتحاد میری دلی تمنا ... ۸۰

سنہ ۱۹۳۵ء

مسئلہ دستور ہند ... ۸۴

سنہ ۱۹۳۶ء

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا ... ۱۰۴

لکھنؤ کے تاریخی اجلاس کا خطبۂ صدارت ... ۱۰۸

سنہ ۱۹۳۷ء

برطانوی جمہوریت ہمارے روگ کا علاج نہیں، ...

سنہ ۱۹۳۸ء

کانگرس اور مسلمان ... ۱۲۴

ہندوستانی سیاست کا طوفانی و بحرانی دور ... ۱۳۳

مسودۂ قانون فوجداری ... ۱۴۱

برطانوی اور ہندو سیاست سے بیزاری کا اظہار ... ۱۵۴

ہم مضبوط ہیں، ... ۱۶۱

سنہ ۱۹۳۹ء

مولانا شوکت علی کی یاد ... ۱۷۲

قانون مال گزاری ... ۱۷۷

"اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے" ... ۱۸۴

صفحہ	عنوانات

سنہ ۱۹۴۰ء

ہندوستان کے دستوری مسائل	۱۹۰
لیگ کے مطالبات انگریزوں سے	۱۹۸
یہ ہے منزل !	۲۰۳
خطاب بہ نژاد نو	۲۲۳
قرار داد لاہور پر اصرار	۲۳۰
پہلے مانو پھر سوال کرو	۲۳۴
کاش خانہ جنگی نہ ہو!	۲۳۵
ہمارا نصب العین	۲۳۹
ریاستیں اور مسلم ہندوستان	۲۴۰
شیر کی گرج	۲۴۱
کانگرس کے حربے،	۲۶۶
ہمارا منشور پاکستان	۲۶۹
ہمارا مطالبہ	۲۷۶
ہندوستان کو تقسیم کردو۔	۲۷۹

سنہ ۱۹۴۱ء

مسلم اکثریت کے علاقے	۲۸۲
اسلام کا نام لینے والوں سے ہوکے والی	۲۸۴
پاکستان ہمارا مقصد ہے	۲۸۵

عنوانات	صفحہ
پاکستان کیا ہے؟	۲۹۵
قائد کی للکار	۳۰۶
پاکستان کو مان لو	۳۲۳
مشکلاتِ راہ	۳۲۵
وائسرائے اور گورنر بنگال کو تحفہ	۳۳۷
سنہ ۱۹۴۲ء	
یہ ہیں فضل الحق!	۳۵۴
یوم پاکستان	۳۷۳
تجاویز کرپس کے مضمرات	۳۷۵
تجاویز کرپس	۳۸۵
قومی حکومت ایک فریب!	۳۹۰
پروپیگنڈے کا جواب	۳۹۶
دشمن کا نیا حربہ	۴۰۱
سنہ ۱۹۴۳ء	
تبدیلیٔ قلب و نظر کا مطالبہ	۴۰۶
صوبائی مسلم لیگ کے اجتماع سے خطاب،	۴۱۱
سنہ ۱۹۴۵ء	
تجاویز ویول	۴۱۶
حکومت سے انتخابات کا مطالبہ	۴۲۱

عنوانات | صفحہ

چاندی کی گولیاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴۲۶
"ہم کامیاب ہوں گے!" ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۴۳۰
زندہ رہنا ہے تو مسلم لیگ کا ساتھ دو! ۔۔ ۔۔ ۔ ۴۳۵
نیشنلسٹ مسلمانوں سے اپیل، ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۴۴۰

سنہ ۱۹۴۶ء

پاکستان در زموت ۔۔ ۔۔ ۔ ۔ ۴۴۶
حلف نامہ ۔۔ ۔ ۔۔ ۔ ۔۔ ۴۵۶
کابینہ وفد کی پیشکش ۔ ۔ ۔ ۔۔ ۴۵۸
سب کچھ پاکستان پر قربان کر دینے کا عہد ۔ ۔ ۔ ۴۶۷
پاکستان لے کر رہیں گے، ۔۔ ۔۔ ۔ ۔۔ ۴۷۲
حیدر آباد دکن کے اجتماع سے خطاب ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۴۷۶
وائسرائے اور وزیر ہند کی ملت اسلامیہ سے غداری ۔ ۔ ۴۷۸
مسلم لیگ کی طرف سے قانون شکنی کا فیصلہ ۔ ۔۔ ۔ ۴۸۸
کانگرس اور مسٹر اٹیلی کی سازش ۔ ۔ ۔ ۴۹۶
پیامِ عید ۔ ۔ ۔ ۔۔ ۔۔ ۵۰۰
مسلم سیاسی جماعتوں سے اتحاد کی اپیل ۔۔ ۔ ۔۔ ۵۰۳
مسلمانانِ بہار کا قتلِ عام ۔۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵۰۷
مسلم لیگ عارضی حکومت میں کیوں شریک ہوتی؟ ۔ ۔ ۵۱۴
خبردار غیر مسلم اقلیت سے انتقام نہ لیں تا، ۔۔ ۔۔ ۵۱۸

عنوانات	صفحہ
مارشل ولی خاں سے خطاب	۶۰۳

مختصرات

شذرات	۶۰۸

۱۹۴۷ء

مزدوروں کی فلاح سے غفلت جرم ہے	۶۱۳
اکبر کی رواداری تعلیم اسلام کا نتیجہ	۶۱۵
پاکستان کے ہندو ہر طرح سے آزاد ہیں	۶۱۷
خیانتِ منصبی اور اقربا نوازی لعنت ہے	۶۱۹
پاکستان میں نسل و عقیدے کا سوال نہیں	۶۲۱
متحدہ ہندوستان کا تخیل ہرگز قابلِ عمل نہ تھا	۶۲۳
ہندوستان کی مسلمان اقلیت فراموش نہیں کی جاسکتی	۶۲۷
انتقام لو۔۔۔ تلوار سے نہیں رواداری سے	۶۲۹
پاکستان کو صنعتی ملک بناؤ	۶۳۱
پاکستان کیوں قائم ہوا	۶۳۳
پاکستانی اقلیت کی ہر طرح حفاظت کی جائے گی	۶۳۵
ہندوستان کے مسلمان ہندوستان کے وفادار رہیں	۶۳۷
پاکستان اور ہندوستان اب ایک نہیں ہو سکتے	۶۳۹
قربانی دو اور آزمائش میں پورے اترو مشکلات کا مقابلہ کرو	۶۴۱
پاکستان کے لئے سب کچھ قربان کردو	۶۴۵

عنوانات	صفحہ

سنہ ۱۹۴۸ء

عنوانات	صفحہ
پاکستان کے ہندوؤں کی حفاظت کیجئے	۶۴۹
صنعت و حرفت	۶۵۱
ہمیں آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیئے	۶۵۳
اور اسلامی جمہوریت کے لئے وقف ہو جاؤ	۶۵۵
بین الاقوامی امن اور خوشحالی میں ہمارا حصّہ	۶۵۷
پاکستان سرحد پار کے بھائیوں کے لئے سب کچھ کرے گا	
سن لیجئے پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی	۶۶۱
نہ کوئی بنگالی ہے نہ پنجابی، نہ سندھی نہ بلوچی سب پاکستانی ہیں ۔	۶۶۳
بنگالی طلباء سے خطاب	۶۶۵
پاکستان کی قومی زبان صرف اُردو ہوگی	۶۶۷
مساوات اور رواداری ہمارے مذہب کی بنیاد ہیں ۔	۶۶۹
مشرقی پاکستان ترقی کرے گا	۶۷۱
صوبائی عصبیت ترک کرو	۶۷۳
آپ کا ووٹ ایک قومی امانت ہے	۶۷۵
پاکستان کی تجارت	۶۷۷
تجارت میں دل کھول کر حصّہ لو	۶۷۹
صرف پاکستانی ہونے پر فخر کیجئے	۶۸۱
امورِ بحالیات قومی توجہ کے محتاج ہیں	۶۸۳
قدرت نے ہمیں بہت سی نعمتیں دی ہیں ان سے فائدہ اٹھائیے	۶۸۵

قائدِ اعظم اکیڈمی" کیوں نہیں؟

جنابِ صدر مملکت کی خدمتِ گرامی میں

ایک التجا

مجھے نہیں معلوم یہ سطریں جناب صدر مملکت کی نظروں سے گزر سکیں گی یا نہیں لیکن میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ایک بہت بڑی کوتاہی کی طرف ان کی عنانِ توجہ مبذول کراؤں۔

قائد اعظم، ملتِ اسلامیہ کے اس آخری دور میں سب سے بڑے لیڈر تھے، انہوں نے ہمیں ایک تخیل دیا، ایک مقصد دیا، ایک منزل متعین کی، اور اس منزل تک پہنچا بھی دیا۔ دنیا میں ایسے قائد بہت کم ہوتے ہیں کہ کسی مقصد جلیل کو لے کر اٹھے ہوں، اور اپنی زندگی ہی میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے ہوں، یہ سعادت قدرت نے قائد اعظم ہی کی قسمت میں لکھی تھی۔

تحریک پاکستان کے سلسلے میں قائد اعظم نے بہت سی تقریریں کیں، بہت سے بیانات دیئے، بہت سی پریس کانفرنسیں منعقد کیں، متعدد مواقع پر مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت اور ترجمانی، خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کی۔

تقسیم ہند سے قبل کے قائداعظم کے ارشادات بڑی آسانی سے اخبارات کے فائلوں سے، اور مرکزی اسمبلی کی رپورٹوں سے فراہم ہو سکتے تھے، اور تقسیم ہند کے بعد یعنی پاکستان کے عالمِ وجود میں آنے کے بعد ان کی حیثیت صرف قائداعظم کی نہ تھی بلکہ گورنر جنرل کی بھی تھی، ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی تقریر کرتے، بیان دیتے، یا سوال و جواب میں حصّہ لیتے، اور اس کا مستند ریکارڈ سرکاری طور پر نہ لیا جاتا۔

لیکن کتنے حیرت، افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ تقسیم ہند سے قبل کی تقریروں اور بیانوں کا کیا ذکر، گورنر جنرل کی حیثیت سے اُنہوں نے جو تقریریں ارشاد فرمائیں۔ جو بیانات دیئے، جن پریس کانفرنسوں کو شرفِ تخاطب عطا فرمایا، جن غیر ملکی نمائندگانِ صحافت کو انٹرویو دیا، ان کا ریکارڈ بھی سکریٹریٹ میں موجود نہیں ہے۔

میں نے جب "خطبات قائداعظم" کی تدوین و ترتیب کا کام شروع کیا، تو کراچی میں حکومت پاکستان کے محکمۂ اطلاعات، اور محکمۂ مطبوعات وغیرہ کا مسلسل چکر لگایا، افسرانِ متعلقہ سے شرفِ نیاز حاصل کیا، لیکن سب نے تہی دامانی کا اعتراف ——————— ندامت کے ساتھ ——————— فرمایا، اور ایک صاحب نے تو یہ تک فرما دیا کہ ہمارے پاس قائداعظم کی تقریروں کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے! وہ اخبارات میں جو شائع ہوئی ہیں، انہیں سرکاری نقطۂ نظر سے ہم مستند نہیں تسلیم کرتے۔

یہ انتہائی رنجدہ اور افسوسناک صورت حال ہے، نہ جانے سابق حکومتیں اس اہم ترین فریضہ سے کیوں غافل رہیں، لیکن موجودہ حکومت سے جس نے بہت سے قابلِ فخر اور یادگار کارنامے انجام دیئے ہیں، میں توقع کرتا ہوں کہ وہ سب سے پہلے اس اہم ترین کام پر متوجہ ہوگی۔

بلکہ میری تجویز تو ایک اور ہے، اور میں صدرِ مملکت کی سلامتی طبع سے اُمید رکھتا ہوں کہ اگر ان تک یہ پہنچ گئی تو وہ ضرور اسے بروئے کار لائیں گے، میری تجویز یہ ہے کہ جلد از جلد "قائد اعظم اکیڈمی" قائم کی جائے، اس اکیڈمی میں ایک عظیم الشان کتب خانہ ہو، جو اردو و انگریزی کی بہترین سیاسی کتابوں پر مشتمل ہو،

اصحابِ قلم کی ایک جماعت ہو جو تحریکِ خلافت سے لے کر قیامِ پاکستان تک کے تمام واقعات اپنے مشاہدات، تاثرات، تجربات اور نظریات کی روشنی میں قلمبند کر ڈالے اور اس طرح مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں، اور سیاسی زندگی سے متعلق مستند، معتبر اور مفصل ذخیرہ فراہم ہو جائے۔

ساتھ ہی ساتھ ایک "قائد اعظم میوزیم" بھی قائم کیا جائے جس میں نہ صرف قائد اعظم کے خطوط اور تحریریں فراہم کی جائیں، بلکہ ہر بڑے مسلمان لیڈر کے خطوط اور اس کی تحریریں جمع کی جائیں اور انہیں ترتیب و تہذیب کے بعد شائع کیا جائے۔

"قائد اعظم اکیڈمی" ان زعماء کی سوانح عمریاں بھی مرتب کرائے جنہوں نے مسلمانوں کو سربلند کرنے میں نمایاں حصہ لیا ہے، اور ان لوگوں کی ایک مکمل اور مستند فہرست مرتب کرے جنہوں نے تحریکِ خلافت اور مسلم لیگ اور دوسری ملّی تحریکوں میں جیل کی سزائیں بھگتی ہیں، جائیدادیں نیلام کرائی ہیں، اور تباہی و بربادی کو لبیک کہا ہے،

اتنے بڑے کام کو حکومت ہی شروع کر سکتی ہے، اور اسی کو شروع کرنا چاہیئے، بے زری کی مجبوری، مجھ جیسے لوگوں کی عناں گیر ہو سکتی ہے، لیکن ممالکِ اسلامیہ میں سب سے بڑے ملک اور دنیا کی بڑی حکومتوں میں ساتویں بڑی حکومت اس طرح کا کوئی عذر نہیں کر سکتی۔

ہندوستان و پاکستان کے مختلف مقامات، کلکتہ، بمبئی، دہلی، لکھنؤ، الہ آباد، پٹنہ، لاہور، پشاور، کراچی اور دوسرے مقامات سے ابھی کافی مواد فراہم ہو سکتا ہے، لیکن

اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی ، تو یہ قیمتی اور گراں بہا مواد ضائع ہو جائے گا ، اور مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کچھ ضائع بھی ہو چکا ہے ۔

یہ صرف میری ذاتی اپیل نہیں ہے ، بلکہ ملّتِ اسلامیہ کے دل کی آواز ہے اکیا میں امید کروں کہ اس پکار پر حکومت اور صدرِ مملکت توجہ فرمائیں گے ؟

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

رئیس احمد جعفری

حرفِ آغاز

پاکستان کیوں اور کیسے؟

سنہ ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس، دھوم دھام اور تزک و احتشام کے ساتھ پٹنہ میں منعقد ہوا، صدر اجلاس قائدِ اعظم تھے۔ اور صدر مجلس استقبالیہ عزیزِ ملت سید عبدالعزیز صاحب بیرسٹر ایٹ لا تھے، عزیزِ ملت متحدہ ہندوستان کے ان چند رہنماؤں میں تھے، جن کا اخلاص، جن کی دیانت، اور جن کے جذبۂ قومی و ملی کے دوستوں سے زیادہ دشمن معترف تھے، وہ کسی دور میں بھی تنگ دل نہ تھے، اُن کی شرافت، عالی ظرفی اور اولوالعزمی کا سب کو اعتراف تھا، انہوں نے زندگی بھر شادی نہیں کی، پٹنہ کے چوٹی کے بیرسٹروں میں تھے، مسلمانوں سے زیادہ ان کے مؤکل ہندو تھے، انہوں نے بلا مبالغہ لاکھوں روپیہ کمایا، اُن کی آمدنی ہزارہا ماہوار سے متجاوز تھی، لیکن یہ سارا روپیہ وہ ملک قوم اور ضرورت مند اشخاص پر خرچ کر دیتے تھے، کل کے لئے بچا رکھنا ان کے اصول اور قناعت کے خلاف تھا۔

عزیزِ ملت نے بڑا معرکہ آرا خطبۂ استقبالیہ ارشاد فرمایا، انہوں نے مسلمانانِ ہند کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"ہندوستان کے بدقسمت مسلمان مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد حیران اور پریشان

تھے، ان کا چہرہ پژمردہ اُن کی جبیں غم آلودہ اور اُن کی آنکھیں عرصہ تک ڈبڈبائی ہوئی رہیں، پہلے یہ انگریزوں سے مرعوب یا متنفر ہو کر بہت سی تحریکوں سے علیحدہ رہے، اور کوئی عملی قدم اپنی اصلاح و ترقی کے لئے نہیں اُٹھایا، مگر کچھ عرصے بعد زمانے کے تغیرات کو محسوس کر کے اُنھوں نے بھی جدوجہد شروع کی ہ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ نے کانگریس کے دوش بدوش آزادیٔ ہند کا مطالبہ کیا اور برادرانِ وطن کے ساتھ باہمی سمجھوتہ کر کے اس کے حصول کی طرف متوجہ ہوئی۔

مسلمانوں نے اس امر کو ہمیشہ محسوس کیا کہ آزادیٔ ملک کے لئے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے (پہلی) جنگِ عظیم سے پہلے اور اس کے بعد ہندوستان میں آزادی کی جو تحریکیں اُٹھیں ان میں مسلمان آگے آگے رہے، ان مسلمانوں نے جلیانوالا باغ میں گولیاں کھائیں۔ پنجاب کے مارشل لاء میں سخت سے سخت سزائیں بھگتیں نیز خلافت اور سوراج کی متحدہ تحریک میں ہزاروں کی تعداد میں جیل خانہ گئے۔

سچ تو یہ ہے کہ ۲۱-۱۹۲۰ کی تحریکیں مسلمانوں ہی کی مرہونِ احسان ہیں، لیکن ملک کی بدقسمتی سے ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ نے متحدہ قومیت کی بنیاد کو ہلا ڈالا، ہندو مسلم اتحاد کے لئے یہ نقطۂ انحراف ثابت ہوا، اس رپورٹ نے کانگریسی ذہنیت کو بے نقاب کر دیا انہیں وجوہ سے مولانا محمد علی نے بھی اس کی شدید مخالفت کی، اور اُن کی ہمنوائی میں سارے ہندوستان نے بھی صدائے احتجاج بلند کی، اس رپورٹ سے مسلمانوں کو یہ خطرہ بلکہ یقین ہوا کہ کانگریس ایک دہری حکومت ہندوستان میں قائم کرنا چاہتی ہے جس میں انگریزوں کے فوجی اور خارجی اختیارات تو برقرار رہیں گے لیکن ملکی اور انتظامی اختیارات کانگریس کے ہاتھوں میں آ جائیں گے، اور غریب مسلمان دہرا غلام بن جائے گا، کلکتہ کنونشن کے موقع پر جب جناح اور مولانا محمد علی مرحوم نے مسلمانوں کی طرف سے اس رپورٹ میں کچھ ترمیموں کی خواہش ظاہر کی

تو ہندو رہنماؤں نے اُن کے مطالبے کو نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔"

آگے چل کر عزیزِ ملّت نے سیاسیاتِ ہند کا جائزہ لیتے ہوئے، اور کانگرس کے نعرۂ قومیت متحدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"مسلمان متحدہ قومیت کی تحریک کے صرف اس پہلو کو تسلیم کر سکتا ہے، جو ملک کے لئے آزادی اور اختیارات حاصل کرنے میں مددگار اور ہندوستان کے معاشی مسائل کے حل کرنے میں معاون ہو، لیکن وہ اسے کسی طرح قبول نہیں کر سکتا کہ اپنی قومی انفرادیت کو ہندوستان کی متحدہ قومیت میں مدغم کر دے۔

پاکستان کا تخیل ذہن و دماغ میں گردش کر رہا تھا، اور ایک سال بعد یہ تخیل مسلمانانِ ہند کا نصب العین بننے والا تھا، لیکن ابھی تک اس تخیل کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی، اب تک قائدِ اعظم اور مسلمانانِ ہند اس بات کے جویا تھے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔

عزیزِ ملّت نے فرمایا:-

"مسلم لیگ کا نصب العین خواہ مخواہ کسی کی مخالفت پر مبنی نہیں ہے مسلم لیگ اس نوع کے سیاسی و معاشی پروگرام کا ساتھ دے گی جس کے اصول اسلامیانِ ہند اور دوسری قوموں کے لئے مفید ہوں، وہ کاشت کاروں کو زمینداروں کی زیادتی اور ناانصافی سے پریشان اور بدحال نہ ہونے دے گی، اور ناقابلِ عمل وعدوں سے ان کو خوش کر کے پھر انہیں مایوس نہ کرے گی۔"

مسلم لیگ یہ سب کچھ کرنے کو تیار تھی، بشرطیکہ کانگریس ان کے جائز شکایات رفع کر دیتی، اپنے اس خطبہ میں عزیزِ ملّت نے فرمایا:-

"یوں تو مسلمانوں کے عام شکایات کی ایک طویل فہرست ہے، جس کا تذکرہ یہاں ناممکن ہے پھر بھی بعض ایسے اہم مسائل ہیں جو کسی طرح نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔

اردو جانتا، سمجھتا، بولتا اور لکھتا ہے مختصر یہ کہ ہندوستان کے ہر قصبہ میں یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے، اس لحاظ سے یہ زبان نہ صرف صوبائی خلیجوں کو پاٹ کر بلکہ سمندر اور پہاڑ کو عبور کر کے ایک ہمہ گیر حیثیت حاصل کر چکی ہے، جو ہندی زبان کو نصیب نہیں، اردو ادب کی تاریخ گواہ ہے کہ ہندوؤں نے بھی اس زبان کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ماضی کا ذکر جانے دیجئے۔

آج بھی سر تیج بہادر سپرو، منشی دیانارائن نگم، پنڈت برجموہن، دتاتریہ کیفی اور ڈاکٹر تاراچند کے زرّیں خدمات کو کون بھلا سکتا ہے، خود ہمارے صوبے کے ممتاز فاضل اور علم دوست ڈاکٹر سچتانند سنہا ر وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی) نے جن کی سخن فہمی اور اردو دانی کا ہر شخص معترف ہے، چند دن ہوئے اپنے لڑکے کی تقریبِ شادی کے سلسلہ میں جو دعوت نامہ تقسیم کیا ہے وہ اردو زبان اور رسم الخط سے تعصب رکھنے اور بیر رکھنے والوں کے لئے سبق آموز ہے رقعہ کی عبارت حسب ذیل ہے:-

بفضلِ خدا میرے نورِ نظر رادھا کرشن سلمہٗ کی برات بتاریخ ۱۷ جنوری ۱۹۲۹ء شام کے تین بجے میرے مکان سے آنریبل جسٹس سکھ دیو پرشاد ورما کی کوٹھی پر جائے گی اور بعد واپسی برات اسی رات کے آٹھ بجے غریب خانہ پر دعوتِ طعام ہے امید ہے کہ آنجناب تقریب اور کھانے میں شرکت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

رالملتمس سچتانند سنہا)

اب سر تیج بہادر سپرو کی صدارتی تقریر کو ملاحظہ فرمائیں، جو ۱۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو یوم اردو کے جلسہ کے موقع پر الہ آباد میں کی گئی، انھوں نے فرمایا کہ:-

ارد و ہم ہندو مسلمانوں کی وراثت مشترکہ ناقابلِ تقسیم ہے، یہ ہمارے اتحاد کی سب سے بڑی یادگار ہے، ہم کئی صدی سے یہ زبان بولتے چلے آئے ہیں،

میرے باپ دادا، میرے بچے سب یہی زبان بولتے

ہیں اور کسی حال میں بھی اسے چھوڑ نہیں سکتے، جو لوگ اس میں غیر مانوس ثقیل سنسکرت اور عربی الفاظ خواہ مخواہ داخل کرتے ہیں۔ وہ زبان کو خواہ مخواہ خراب کر رہے ہیں، اور جو لوگ اس بنا پر مروجہ اور مانوس الفاظ نکال کر بھدے اور نئے الفاظ داخل کرنا چاہتے ہیں کہ دیہات والے سمجھ سکیں، ہم نہیں یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں جس کی شہری اور دیہاتی بولی میں فرق نہ ہو، یہ ساری خرابی اس وجہ سے ہے کہ ہماری زبان کو سیاسی مسئلہ بنا لیا گیا ہے۔ زبان لیجسلیٹو اسمبلی میں نہیں بن سکتی، اور مجلس قانون ساز ہے، زبان ساز نہیں، یہ ہمارا کام نہیں ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ کون لفظ خارج کرنے کے قابل اور کون داخل کرنے کے لائق ہے۔ یہ کام ڈاکٹر عبدالحق جیسے اہلِ زبان اور علم دوست کا ہے۔

میں اس زبان کے لئے اردو ہی کا لفظ پسند کرتا ہوں۔ جب کوئی میرے سامنے ہندوستانی کا لفظ کہتا ہے تو میرے دل کو تکلیف ہوتی اور مجھے صدمہ ہوتا ہے۔

حکومت نے کچہریوں کے لئے اردو کی منظوری تو دے دی ہے، لیکن اس وقت تک اس کی حیثیت کاغذی حکم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اردو زبان کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک طرف ہندوستان میں اسلامی تہذیب اور اسلامی کلچر سے اس کا گہرا تعلق ہے تو دوسری طرف اسی کے ذریعہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے پرانے رشتہ اتحاد کی یادگار قائم ہے۔ اردو کے ساتھ دشمنی کرنی اسلامی تہذیب کلچر اور ہندو مسلم اتحاد کے ساتھ دشمنی کرنی ہے۔"

سید صاحب نے کانگریس سے مسلمانوں کے شکایات کا دفتر جو بے انتہا وسیع تھا حد درجہ مختصر کر کے بیان کیا، پھر بھی سلسلہ ختم نہیں ہوا، کانگریس قربانی تک کی اجازت اپنے صوبوں میں نہیں دے رہی تھی۔

آج انتہائی دکھ کے ساتھ مجھے اس تلخ حقیقت کا اعلان کرنا پڑتا ہے کہ کانگریسی حضرات نے کراچی کے بنیادی حقوق کے طے شدہ اعلان کو طاقِ نسیاں کا گلدستہ بنا دیا۔ آج قربانی کے مسئلہ میں رسم و رواج کی ایسی قید لگائی جا رہی ہے کہ مسلمان اپنے فرائض کو برت نہیں سکتا

یہ فرائض رواج پر منحصر نہیں اور نہ اکثر جگہوں میں رواج کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔ چونکہ یہاں قربانی عام طور سے گھروں کے اندر کی جاتی ہے، اور اگر چوکیدار کو اس کی اطلاع بھی ہوئی تو عام طور پر بہ ہندو چوکیدار اور ہندو پولیس افسران کے ہونے کے باعث بہت سے علاقوں کی قربانیوں کا اندراج تھانے کے رجسٹر میں نہیں ہوتا، اور پولیس کی مصلحت بھی زیادہ تر یہی ہے کہ کم سے کم جگہوں کے متعلق قربانیوں کا اندراج ہو۔"

سید صاحب بہار کے رہنے والے تھے، وہیں کے حالات سے واقف تھے، اس لئے مثالیں بھی زیادہ تر بہار کی پیش کیں، ورنہ درحقیقت سارے ہندوستان میں کیفیت یہی تھی:-

"دفعہ ۱۴۴ کا تیر کانگریسی وزارت کے ترکش سے جس تیزی اور کثرت سے مسلمانوں پر چلا ہے اس کی کوئی مثال نہیں۔ اسی طرح امن عامہ کا بہانہ کر کے متفرق جگہوں پر مسلمانوں کو اپنے شعائر اور حقوق کے ادا کرنے سے جس طرح روکا گیا ہے اس کا تذکرہ بھی ناقابل بیان ہے، صوبے کے کئی اضلاع میں مسلمانوں پر متعصب برادرانِ وطن کے ہاتھوں مقامی افسران اور خاص کر مسلمان افسران کی کمزوریوں اور حکومت کی پالیسی کی وجہ سے جو مظالم ہوتے اور ہو رہے ہیں وہ حد درجہ المناک ہیں، کیا میں کانگریسی وزارت سے امید کروں کہ وہ اب بھی تدبیر اور ہوشمندی کا ثبوت دے کر مسلمانوں کے صبر و تحمل کا ناجائز امتحان نہ لے گی؟"

کانگریس نے پنڈت نہرو کی قیادت میں پہلے "مسلم ماس کنٹیکٹ" کا دام بچھایا، جب اس میں کامیابی نہ ہوئی، تو اس نے شیعوں اور سنیوں کے مابین مومنوں (پارچہ بافوں) اور عام مسلمانوں کے درمیان افتراق پیدا کرنے کی سعی شروع کر دی۔ سید صاحب اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں:-

"کانگریس نے پہلے ماس کنٹیکٹ کے ذریعہ مسلمانوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، مگر جب اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو اب ذات کی بناء پر ان کے بکھرے شیرازہ کو ٹکڑے

ٹکڑے کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتی ہے، اور کچھ ناسمجھ مسلمان اس کا شکار بھی ہو رہے ہیں، کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانوں کا واحد سیاسی اور قومی ادارہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

یہ تھے مسلمانوں کے جائز شکایات، جنہیں کانگریس نے رفع نہیں کیا، اور بالآخر مجبور ہو کر مسلم لیگ کو اپنی آخری منزلِ مقصود "پاکستان" قرار دینی پڑی،

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ قائدِ اعظم کے دور میں کبھی بھی رجعت پسند جماعت نہیں رہی، وہ اپنی ترقی پسندی میں کانگرس سے بھی دو قدم آگے رہی، اپریل ۱۹۲۶ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی میں ہوا، اس میں مسلم لیگ کا جو منشور اور پروگرام مرتب ہوا وہ یہ تھا۔

۱۔ مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت،

۲۔ تشدد آمیز قوانین کی تنسیخ کی سعی،

۳۔ ان تمام قوانین کی مخالفت جو ہندوستان کے مفاد کے لئے مضر ہوں، افراد کے اساسی حقوق پر اثر انداز ہوں یا ملک میں اقتصادی تصرفات کا دروازہ کھولیں۔

۴۔ نظم ونسق کے خرچ کو کم کر کے معتد بہ رقوم تعمیری ادارت پر صرف کرنا

۵۔ ہندوستان کا فوجی خرچ گھٹانا اور فوج کو ہندوستانی بنانا۔

۶۔ صنعتوں کو فروغ دینا،

۷۔ کرنسی مبادلہ اور قیمتوں کو ملک کے اقتصادی فائدے کے مطابق منظم کرنا۔

۸۔ دیہاتی آبادی کی اقتصادی معاشرتی اور تعلیمی فلاح کی کوشش کرنا۔

۹۔ زراعتی قرضے میں تخفیف کے قوانین بنانا،

۱۰۔ ابتدائی تعلیم کو عام اور لازمی بنانا۔

۱۱۔ اردو زبان اور رسم الخط کی حفاظت کرنا۔

۱۲۔ مسلمانوں کی حالت کو عمومی حیثیت سے بہتر بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

۱۳۔ محاصل کے بوجھ کو کم کرنا۔

۱۴۔ ملک میں صحیح رائے عامہ اور عام سیاسی بیداری پیدا کرنا، مسلم لیگ پارٹی، مجالس آئین ساز میں کانگرس کے ساتھ اشتراکِ عمل کرے گی۔ اور اس کے پروگرام میں مسلم اقلیت کے مفاد کی حفاظت کے سوا اور کوئی فرقہ وارانہ بات نہ ہو گی۔

متذکرہ صدر پروگرام کے مطابق انتخابی مہم شروع کی گئی، جمعیت العلماء نے بھی مسلم لیگ کی تائید کی۔

مولانا حسین احمد مدنی نے بعض امیدواران ممبری کی تائید میں اعلانات شائع کیے۔[1]

ہندوؤں کی عام ذہنیت کو دیکھ کر مسلم سیاست والوں کا ایک معقول طبقہ شروع ہی سے دو قومی نظریہ کا قائل تھا، اس لئے جداگانہ انتخابات کا علمبردار تھا، لیکن جہاں تک قائد اعظم مولانا محمد علی اور دوسرے بزرگ سیاست والوں کا تعلق تھا، وہ جب تک بالکل مایوس نہیں ہو گئے، دو قومی نظریہ کے مخالف رہے،

دسمبر ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس سر ابراہیم رحمت اللہ کی صدارت میں بمقام آگرہ منعقد ہوا، جس میں متعدد تجویزیں پیش اور منظور ہوئیں۔

پانچویں تجویز مولوی رفیع الدین صاحب بیرسٹر[2] پٹنہ نے پیش کی کہ لوکل باڈیز میں جداگانہ انتخاب نافذ کیا جائے۔

مولانا محمد علی صاحب نے ترمیم پیش کی کہ تجویز کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا جائے، ترمیم کی تائید مسٹر محمد علی جناح اور مظہر الحق[3] صاحب نے کی، رضا علی[4] صاحب نے ترمیم کی مخالفت

---

[1] اس تحفظ کیساتھ کہ خالص مذہبی امور میں جمعیت العلماء اور مجتہدین کرام کی رائے کو خاص وقعت دی جانی تجویز ہوئی۔ [2] پٹنہ کے نڈر، بیباک اور مخلص زعیم جو بمبئی کے عرصہ تک وزیر بھی رہے۔

[3] بہار کے سراپا ایثار زعیم، بہت بڑے کانگرسی راجندر پرشاد انہی کے تربیت یافتہ ہیں

[4] سر رضا علی مرحوم

کی طویل بحث کے بعد رائے شماری ہوئی اور ترمیم گر گئی ، اور پہلی تجویز منظور ہوئی۔"
لیکن جب آخر کار ہر قسم کی سعی مصالحت کی ناکامی اور کامل مایوسی کے بعد مسلم لیگ نے
پاکستان کی تجویز منظور کی، تو پہلے تو اس کا مذاق اُڑایا گیا، لیکن جلد ہی اہلِ فکر و نظر اس پر سنجیدگی
سے غور کرنے لگے، چنانچہ ایک انگریز اہلِ علم پیٹر لوئس کا ایک مضمون " ہندوستان"
کے نام سے "کنٹمپریری ریویو" اور "السٹرن ٹائمز" میں ۲ اگست ۱۹۴۰ء کو چھپا اس کا
ایک حصہ یہ ہے :-

" پاکستان کوئی جدید تحریک نہیں ہے، بلکہ یہ وہ سب سے کم ہنگامہ خیز اور پرانی اسکیم ہے
جس کی مختلف اہلِ علم نے ہندوستان کے نقشے کو نئے طور پر بنانے کی کوشش کی ہے، اگر تعداد
اور قوت کے پیمانے سے اندازہ لگایا جائے تو صاف صاف وجوہ کی بناء پر مسلمان ہندوستان
میں سب سے زیادہ گھنے طریقہ پر آباد ہیں، اور سب سے زیادہ مضبوط ہیں اور اپنی ضروریات کے
لئے دوسروں کے محتاج نہیں ہیں، اور یہ لوگ ملک کے ایک مسلسل ٹکڑے میں جس میں پنجاب
کشمیر شمالی مغربی صوبہ اور اس کی ایجنسیاں، سندھ، بلوچستان، خیر پور اور بہاولپور شامل ہیں
گنجان طور پر آباد ہیں۔

انہیں سات اجزاء سے مل کر پاکستان وجود میں آئے گا، جس کا فیڈرل یا ڈومینین
دارالحکومت لاہور ہوگا، اور کراچی اس کا معاشی مستقر اور سمندری بندرگاہ ہوگا۔
اس کا رقبہ انسٹر کا ۵ ، گنا ہوگا اور اسپین، زکوسلیویا ، آسٹریلیا ، البانیہ ، بلجیم
ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، لیتھونیا ائیر کے مجموعی رقبہ کے برابر ہوگا، اس کی آبادی البانیا، آسٹریلیا
زیکوسلیویا، لیتھونیا اور سوئٹزرلینڈ کی مجموعی آبادی کے برابر ہوگی۔ (متذکرہ ممالک اتنے
چھوٹے نہیں ہیں جو سوائے جرمنی کے دوسروں کے نزدیک اس قابل نہ ہوں کہ ان کو حکومت
خود اختیاری کا حق دیا جائے) مگر اس طور پر صرف ہندوستانی آبادی کے ۱/۴ حصہ اور اس کے
رقبہ کے ۱/۴ حصہ کا انتظام ہوگا، اور بقیہ حصہ جس کو ڈومینین آف ہندوستان کے نام سے

موسوم کیا جاوے گا، اس کے بعد بھی سوائے چین کے ہر ملک سے زیادہ اس کی آبادی ہو گی "

آگے چل کر متعدد متعلقہ مسائل پر بحث کرنے کے بعد یہ مقالہ نگار لکھتا ہے :-

کشمیر جو رقبہ کے لحاظ سے پاکستان کا بڑا جزو ہے، اس کی آبادی بہت کم ہے، یہ ایک ہندو ریاست ہے اور اس پر ایک ہندو خاندان حکومت کرتا ہے، مگر اس کی نوّے فی صدی ستم رسیدہ رعایا مسلمان ہے (حیدرآباد دکن) جہاں ایک مسلمان خاندان ایک بڑی ہندو اکثریت پر حکمرانی کرتا ہے، اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہندوستان کے فیڈریشن میں شامل ہو جائے گا تو پھر کشمیر کے پاکستان میں شامل ہونے میں کیا حرج ہے۔ ؟"

مقالہ کے آخر میں اس تجربہ کار سیاست دان اور منجھے ہوئے اہل قلم نے حالات کا پورا تجزیہ کرنے کے بعد لکھا ہے :-

" موجودہ ہندوستان کا اتحاد ایک ہمہ گیر مصنوعی حکومت کی عائد کردہ مصنوعی کیفیت ہے یہ اتحاد ایک اچھی چیز ہے، اگر نہ اس ملک کے قدرتی حالات کے موافق ہے، اور نہ یہاں کے باشندوں کے فطری مذاق اور ان کی تاریخ کے مطابق ہے، برطانیہ ہندوستان پر صرف اس وجہ سے قبضہ حاصل کر سکا کہ یہ بہت سے حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا، اس نے اس کا بڑا حصہ مسلمان مغلوں سے لیا، اس کے بعد انہوں نے طرح طرح کے ہندو سرداروں سے جنگ کی، کبھی انگریزوں نے ہندوؤں کی حمایت سے اور کبھی مسلمانوں کی امداد سے فتح حاصل کی ملک میں کبھی گلگت سے ٹری وندرم تک اور کوئٹہ سے کلکتہ تک یک جہتی قائم نہ ہو سکی، اور اگر کسی نے سارے ملک میں امن و امان یکساں طور پر قائم کیا تو وہ حکومت برطانیہ ہے جس نے بہت سے آپس کے تنازعات اس دور میں ختم کر دیئے، اور شاید ہمیشہ کے لئے، مگر ہندو اور مسلمانوں کا باہمی بنیادی اختلاف قائم ہے اور قائم رہے گا، برطانیہ کا یہ فرض تو ہرگز نہیں کہ وہ ایک تہذیب کو دوسری تہذیب کے مسخر کرنے پر مجبور کرے، اگر اب وہ غیر ملکی قوت جس کی بدولت یہ شیرازہ بندی ہو سکی تھی، جانے والی ہے مگر قبل اس کے کہ اس کی عدم موجودگی کے بعد فسادات اپنی پوری طاقت سے

آٹھ ٹکڑے ہوں، جس کے آثار اس وقت پائے جاتے ہیں، اور پراگندہ کرنے والے رجحانات کی ابتداء ہوں ہی ہے ہندوستان کو نہایت منصفانہ طریقے پر فریقین میں تقسیم کر دیا جاوے۔ اور ان حریفوں کو اسے پھر دے دیا جاوے، جن سے برطانیہ نے اس ملک کو لیا تھا، اور جن کی امداد سے اس نے ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ اس ملک سے بیدخل کیا تھا، نو سال قبل مہاتما گاندھی کی ایک گفتگو مانچسٹر گارجین میں شائع ہوئی تھی، جس میں انہوں نے افسوس کے ساتھ، مگر بغیر جذبات سے متاثر ہوئے فرمایا تھا کہ :-

"ممکن ہے کہ آزادی کی وجہ سے میرے ملک میں خانہ جنگیوں کی ابتداء ہو جائے اور اس کی وجہ سے ایک نہ ایک قوم تباہ ہو جائے، اگر اس طرح کا امکان ہے اور اگر ایسی حالت میں دو برائیوں کے درمیان ہم کو انتخاب کرنا ہے، تو جو برائی ذرا کم ہو، اس کو ہمیں پسند کرنا چاہیئے، اور ہم کو اس کا فیصلہ اس وقت کر لینا چاہیئے، ہماری یہ گذارش ہے کہ دو حکومتیں قائم ہونی چاہیئے جن کی آبادی ایک درجہ تک مذہباً اور تمدنی طور پر یکساں ہو، بجائے اسکے کہ ایک حکومت سارے ہندوستان کے لئے قائم ہو، جس کی وجہ سے سارا ہندوستان خانہ جنگی کا اکھاڑا بن جاوے اور اس پر غیر ملکی حکومت کی لعنت رہے۔"

پاکستان کی تحریک نے خود مسلمانوں میں بھی طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے تھے، چنانچہ رسالہ جامعہ میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں پاکستان کی افادیت کو چیلنج کیا گیا تھا، سید حسن ریاض صاحب ایڈیٹر "منشور" دہلی نے اس کا پر مغز، مدلل اور حقیقت آفرین جواب دیا، جو خاصا طویل ہے، میں صرف اس کے بعض حصوں پر اکتفا کروں گا

"معترض کی رائے میں ذرائع آمد و رفت اور وسائل خبر رسانی کی ترقی کے بعد ملکوں کی طبعی تقسیموں اور طبقات الارض کی تفریقوں کی اہمیت بہت کم ہو گئی ہے، لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بر اعظم ماسوائے روس رقبہ میں ہندوستان کے برابر ہے، ذرائع آمد و رفت و وسائل

خبر رسانی کی ترقی کے لحاظ سے ہندوستان کو یورپ سے دور کی قربت بھی نہیں، جہاں پر یورپ میں دو لاکھ میل سے زیادہ لمبی ریلوے لائن ہے، ہندوستان میں ریلوں کی لمبائی ہم ہزار میل کے قریب ہے، لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود یورپ کی تقسیم ۲۶ جغرافیائی قطعوں میں ہو چکی ہے۔ جہاں پر جدا جدا قومی حکومتیں قائم ہیں۔ دریائے ڈینیوب مشرقی یورپ کی سب سے بڑی تجارتی شاہراہ ہے اور نصف درجن کے قریب ملکوں میں سے گزرتا ہے، جو اسے اپنی تجارت و وسائل آمد و رفت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ملک سیاسی طور پر جدا ہیں، لہٰذا وسائل آمد و رفت کسی ملک کے مخصوص محل و قوع کی اہمیت کو کم نہیں کر سکتے، پاکستان حقیقت میں ایک قدرتی خطہ زمین ہے جو طبعی و جغرافیائی طور پر ہندوستان سے بالکل جدا ہے، دریائے سندھ اور اسکے معاون اس سرزمین کو سیراب کرتے ہیں، اس کی قدرتی حد بندی جنوب مشرق کی طرف ریگستان راجپوتانہ و دریائے جمنا کرتے ہیں۔ این، ڈبلیو، آر ریلوے کی شاخیں، اس سرزمین کے اطراف و جوانب پھیلی ہوئی ہیں۔ بیرونی ملکوں سے بحری تجارت کراچی کی بندرگاہ سے ہوتی ہے، اس سرزمین کے تجارتی شہروں کا جو براہ راست تعلق کراچی بندرگاہ سے ہے، وہ کسی اور دوسری بندرگاہ سے نہیں ہو سکتا،

پاکستان کی جداگانہ ہستی کے جواز میں دوسری دلیل امتیاز نسل ہے، لیکن اسے آپ نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ دنیا میں کوئی خاص نسل رکھنے والے لوگوں کا وجود نہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر فلسطین میں عرب و یہودی، آئرلینڈ میں آئرش اور السٹر کے بسنے والے وسطی یورپ میں سلافی اقوام، جنوبی یورپ میں لاطینی اقوام وغیرہ کیوں نسلی امتیاز کی بناء پر جدا جدا قوموں میں منقسم ہیں، آئرلینڈ کے باشندے مذہباً عیسائی ہیں، صدہا سال سے ایک ہی ملک میں آباد ہیں، سب انگریزی طرز کی زبان بولتے ہیں، لیکن مخصوص نسلی امتیاز کی بناء پر جدا حکومتوں میں منقسم ہیں، السٹر کے رہنے والے اپنے آپ کو انگریزی نسل سے منسوب کرتے ہیں، اور بقیہ آئرلینڈ کے رہنے والے اپنی قدیم سلٹک نسل پر فخر کرتے ہیں، کیا اس سے

انکار ہو سکتا ہے کہ پولز، روسی، ازبک، سرب، کروٹ، بلغار سب سلافی النسل اقوام ہیں، لیکن اس کے باوجود اپنے مخصوص نسلی امتیاز کو قائم رکھتی ہیں، قوموں کی تشکیل میں نسلی امتیاز کے جذبہ نے ہمیشہ نمایاں حصہ لیا ہے۔

آپ نے مذہب کے اختلاف کو بنیادی حیثیت دی ہے، اس سے مجھے اتفاق ہے، لیکن زبان کے اختلاف کو یہ کہہ کر نظر انداز کیا ہے کہ اس کی وجہ بھی مذہبی اختلاف ہے، کیا بنگال میں جہاں مسلمان آبادی کا ۵۵ فی صدی ہیں۔ مذہبی اختلاف کے ہوتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ایک ہی نہیں ہے؟ اگر یہ درست ہے تو مذہب زبان کے اختلاف کا باعث نہیں، پاکستان کے لوگ چونکہ نسل کے لحاظ سے بقیہ ہندوستان سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے زبان کا اختلاف اس کا لازمی نتیجہ تھا، بقیہ ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان ہی ایسی سرزمین ہے، جہاں پر کہ اردو سب باشندوں کے لئے مشترک زبان ہے، اور اس کا اثر و رسوخ نہایت تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، یہاں پر متعدد اخبارات و رسائل کثرت سے اردو میں شائع ہوتے ہیں، پرائمری اور مڈل کلاس میں ذریعۂ تعلیم اردو ہے، سرکاری دفاتر میں اردو کو درباری زبان کا درجہ حاصل ہے، بقیہ ہندوستان کے مانند یہاں بنگالی، مرہٹی، گجراتی، تامل وغیرہ مختلف زبانوں سے مقابلہ کا کوئی خطرہ نہیں۔"

پاکستان کے ذرائع اور وسائل کا ذکر کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں:-

"پاکستان کے قدرتی ذرائع بہت وسیع اور غیر محدود ہیں، براعظم ہند میں پاکستان ہی ایک ایسا حصہ ہے، جہاں موجودہ آبادی سے تین گنا زیادہ آبادی سما سکتی ہے، کشمیر، پنجاب اور سندھ میں بڑے وسیع قطعات الارضی زیر کاشت لائے جا سکتے ہیں، پاکستان کے جنگلات اس کی عمارتی اور صنعتی ضروریات کے لئے کافی ہیں، چراگاہوں میں مویشی کثرت سے پالے جا سکتے ہیں، معدنیات کی بھی بہتات ہے، جو بوقت ضرورت ملک کی صنعت و حرفت کو فروغ دے سکتی ہیں، بجلی کی طاقت اس قدر وافر مقدار میں پیدا کی جا سکتی ہے، جس سے سینکڑوں کارخانے اور کلیں چل سکیں —

ذرائع آمدنی میں ریلوے کی آمدنی ای آئی آر کے بعد ہندوستان کے ہر دوسری ریلوے لائن سے زیادہ ہے۔ پاکستان میں زمین و آبپاشی کی آمدنی بنگال، یو پی، مدراس ہر ایک سے زیادہ ہے علیحدگی کی صورت میں انکم ٹیکس و محصول بندرگاہ کی آمدنی جو خزانہ مرکزی میں جمع ہوتی ہے، براہ راست پاکستان کی آمدنی میں شمار ہوگی، اور یہ زائد آمدنی صوبہ سرحد و بلوچستان کے اخراجات کی کفیل ہو سکتی ہے، پاکستان میں وسائل دولت کو ترقی دینے کے لئے مزدوروں کی کمی نہیں، قومی حکومت کے قیام سے صنعت و حرفت کو لازمی فروغ ہوگا۔

غرض یہ تھے وہ حالات جب پاکستان کی تحریک عالم وجود میں آئی، اور یہ تھے وہ امکانی وسائل جو اس کے قیام کے بعد اس کی صلاح و فلاح اور فروغ و ترقی میں ممد و معاون ہو سکتے تھے۔ پاکستان کے راستے میں بہت سے روڑے اٹکائے گئے، لیکن اسے بننا تھا، اور بالآخر وہ بن کر رہا، اب یہ اہلِ پاکستان کا فرض ہے کہ اس کے وسائل و ذرائع سے فائدہ اٹھائیں، اور اسے دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کا ہمدوش بنا دیں۔

رئیس احمد جعفری۔

ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلے ہوئے وسیع برّاعظم کے
چالیس کروڑ انسانوں پر حکومت کرنے کے لئے کسی ایک متحدہ مرکزی حکومت
کے ہر تین نمائندوں میں سے صرف ایک مسلمان ہوگا بالفاظ دیگر ہندو
راج اپنی پوری قہرمانیت کے ساتھ مسلمانوں پر مسلّط کر دیا جائے گا، اور
ہر رطب و یابس پر مسلمان آمنّا و صدقنا کہنے پر مجبور رہوں گے۔

بمبئی ——————

۳ جنوری ۱۹۴۱ء

ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں، زبان و ادب، فنِ لطیف و فنِ تعمیر، نام و نسب، شعورِ اقدار و تناسب، قانون و اخلاق، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحان و مقاصد ہر ایک لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے، بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو سلامی دینے کے لئے تیار ہے۔

ایسوشی ایٹڈ پریس امریکہ
یکم جولائی ۱۹۴۲ء

"اقلیتیں جہاں بھی ہوں ان کے تحفظ کا انتظام کیا جائے گا،
میں نے ہمیشہ یقین کیا ——— اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایقان
غلط نہیں ——— کوئی حکومت اور کوئی مملکت اپنی اقلیتوں
کو اعتماد اور تحفظ کا یقین دلائے بغیر کامیابی کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں
اُٹھا سکتی، کوئی حکومت ناانصافی اور جانب داری کی بنیادوں پر کھڑی
نہیں رہ سکتی، اقلیت کے ساتھ ظلم و تشدد اس کی بقا کا ضامن نہیں
ہو سکتا۔ اقلیتوں میں انصاف و آزادی، امن و مساوات کا احساس پیدا
کرنا ہر انتخابی طرزِ حکومت کی بہترین آزمائش ہے، اس خصوص میں ہم
دنیا کے کسی متمدن ملک سے پیچھے نہیں رہ سکتے، مجھے یقین ہے کہ
جب وقت آئے گا تو ہمارے ملکی خطوں کی اقلیتوں کو ہماری روایات

ثقافت اور اسلامی تعلیم سے نہ صرف انصاف وصداقت ملے گی بلکہ انہیں ہماری کریم النفسی اور عالی ظرفی کا ثبوت بھی مل جائے گا، ہم مول تول نہیں کرتے، ہم لین دین کے عادی نہیں، ہم صرف عمل پر یقین رکھتے ہیں اور صرف تدبر اور عملی سیاست پر اعتماد رکھتے ہیں“ ————

———— مدراس

اپریل ۱۹۴۱ء

سنہ ۱۹۱۳ء

جب مسٹر جناح بہت بڑے نیشنلسٹ اور کانگرسی تھے

بے خبر خود راز خود ناشناختہ!
ممکنات خویش را ناشناختہ!

جب کانگرس انقلاب کے نام سے ڈرتی تھی

ایک انقلابی تجویز!

۳۱ ردسمبر ۱۹۱۳ء

مسلم لیگ کا ساتواں اجلاس دسمبر ۱۹۱۳ء میں بہ مقام آگرہ منعقد ہوا، سرابراہیم رحمت اللہ صدر اجلاس تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان ابھی تحریک آزادی سے آشنا نہیں ہوا تھا، گاندھی جی جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے حقوق کے لئے لڑ رہے تھے، موتی لال الہ آباد میں وکالت کر رہے تھے، جواہر لال کو کوئی جانتا بھی نہ تھا، راجندر پرشاد، پٹیل اور دوسرے زعماء کا سیاسی وجود اب تک پردۂ علم میں تھا۔ کانگرس کے سالانہ جلسوں میں دب دب کر، ڈر ڈر کر، انگریزوں سے کچھ حقوق مانگے جاتے تھے، لیکن محمد علی جناح اس زمانہ میں بھی نڈر، بیباک اور زبردست انقلابی تھا مسلم لیگ کی سرکاری روداد میں درج ہے۔

محمد علی جناح نے تجویز پیش کی کہ سکرٹری آف اسٹیٹ کی کونسل میں حسب ذیل تبدیلیاں کی جائیں

الف۔ سکرٹری کی تنخواہ انگریزی تخمینہ کے مطابق ہو

ب۔ کونسل کے نصف ممبر انتخاب کے ذریعہ مقرر ہوں۔

ج۔ نامزد ممبروں میں سے نصف غیر سرکاری ہوں۔

د۔ بقیہ نصف نامزد ممبر ایسے ہوں جو کم از کم دس سال تک

ہندوستان میں ملازم رہ چکے ہوں ۔

ج ۔ بلحاظ اختیارات کونسل مشاورتی ہو نہ کہ انتظامی

ع ۔ میعاد عہدہ ۵ سال سے زیادہ نہ ہو ۔

اس تجویز نے نہ صرف ہندوستان کے حصار سیاست میں جناح کی دھاک بٹھا دی ۔ بلکہ برطانیہ کے ایوانِ شہی میں بھی لوگ چوکنا ہو گئے ۔ کہ یہ من چلا سیاست دان کون ہے ؟

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

اقبال

سنہ ۱۹۱۵ء

جب مسٹر جناح مسلمانوں کی ملّی انفرادیت کے قائل ہو چکے تھے۔

آسیا یک پیکر آب و گل است
ملّتِ "اِسلامیہ" درآں پیکر دل است
از فسادِ او ، فسادِ آسیا!
در کشادِ او ، کشادِ آسیا!

کانگرس سے تعاون کے دور میں بھی قائداعظم کا اصرار

مسلمان جُداگانہ قوم ہیں!

۳۰-۳۱ دسمبر ۱۹۱۵ء

مسٹر جناح ہمیشہ سے ہندو مسلم اتحاد کے داعی، نقیب اور علمبردار تھے۔ لیکن اپنے نیشنلزم کے عہد عروج و شباب میں بھی، انہوں نے مسلم قوم کی انفرادیت اور جداگانہ حیثیت کے مطالبہ سے دست برداری نہیں اختیار کی، چونکہ ابھی وقت تک نہ ہندوؤں سے مایوسی ہوئی تھی، نہ کانگرس کی ذہنیت بے نقاب ہوئی تھی، لہٰذا پاکستان کا تصور بھی پیدا نہیں ہوا تھا مسٹر جناح کی ساری سرگرمیاں اس امر پر مرکوز تھیں کہ ہندو مسلم اتحاد عمل میں آئے، ہندوستان کا جو دستور بنے۔ وہ اکثریت کا بنایا ہوا نہ ہو۔ اس میں مسلمان بھی برابر کے شریک ہوں، عام ملکی معاملات میں وہ بلا تامل ہندو اکثریت کا ساتھ دیں، اور امن و عافیت کی زندگی بسر کریں، اس مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے کبھی طاقت سے ٹکر لینے میں تامل نہیں کیا، چنانچہ دسمبر ۱۹۱۵ء میں انہوں نے لیگ کو سالانہ جلسہ بمبئی میں منعقد کرنے کی دعوت دی، یہ لیگ کا آٹھواں اجلاس تھا، صدر اجلاس مسٹر مظہر الحق بیرسٹر ایٹ لا، پٹنہ منتخب ہوئے۔

مسٹر جناح کے یہ مساعی ان لوگوں کو ایک آنکھ نہ بھائے، جو حکومت برطانیہ کے جاں نثار اور وفادار تھے، کیونکہ یہ پہلی جنگِ عظیم کا زمانہ تھا، اور وہ انگریزی حکومت سے غیر مشروط تعاون کرنے پر تلے ہوئے تھے، ظاہر ہے مسٹر جناح ایسا نہیں کر سکتے تھے وہ اس زمانہ میں بھی انگریز اور ہندو دونوں سے برابر کا حصہ طلب کرتے تھے۔

اجلاس بمبئی کی رپورٹ مسٹر (پھر سر) وزیر حسن نے بہ حیثیت سکریٹری تحریر

فرمائی تھی، جس کے اہم حصص مندرج ذیل ہیں، جن کے مطالعہ سے بہت سے عجیب و غریب حقائق منکشف ہوں گے۔ رئیس احمد جعفری۔

مسلم لیگ کا یہ اجلاس ہر حیثیت سے غیر معمولی اجلاس تھا، ہندوستان کی سیاسی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے اکابر ایک جگہ جمع ہوئے، ہندو اور مسلمان اپنے اختلافات بھول گئے تھے، اور اس محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے تعاون و اشتراک عمل کر رہے تھے، کہ دشمنوں کے دل دہلنے لگے تھے، اس ہفتہ کانگریس کا اجلاس بھی بمبئی میں ہوا، کانگریس کے صدر لارڈ سنہا مسز اینی بیسنٹ اور دیگر کانگریسی لیڈران بھی شریک جلسہ تھے، ہندو والنٹیر کو مسلمان رضاکاروں کا ہاتھ بٹا رہی تھی، اور یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ہندوستانی بھی اب ایک مستقل قوم بن گئے ہیں

اس سال لیگ کے پنڈال کے دروازے پر نہایت مبارک کتبہ آویزاں تھا، جو اپنی نوعیت میں پہلی مثال تھا۔

"اتفاق طاقت ہے"

بد قسمتی سے پس پردہ چند ایسی طاقتیں بھی کام کر رہی تھیں جو خوشگوار منزل کو پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں، مسلمانوں میں ایک عجیب اختلاف رونما ہو گیا۔ یہ گروہ یہ چاہتا تھا کہ اس سال لیگ کا اجلاس ہی منعقد نہ ہو، اور دلیل پیش کی جاتی تھی کہ چونکہ ترک حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ میں شریک ہیں، اور مسلمانوں کا رشتہ ترکوں سے مذہبی اخوت کی بنا پر نہایت گہرا ہے، مبادا پبلک پلیٹ فارم سے کوئی ایسی بات نکلے، جس سے ہندوستانی مسلمانوں کی برطانیہ کے ساتھ وفاداری پر شبہ ہو جائے اور جنگِ عظیم میں برطانیہ کو کوئی تکلیف محسوس ہو،

دوسرا گروہ اس پر مصر تھا کہ اجلاس تو ہو لیکن بمبئی میں نہ ہو، کیونکہ کانگرس کے ساتھ تعاون یا کسی قسم کا اشتراکِ عمل باغیانہ اقدام ہو گا، آخر صائب الرائے طبقہ کی رائے غالب آئی اور اجلاس ہوا اور بمبئی میں ہوا، لیکن کچھ بدمزگی ہو ہی گئی۔

اس سال اکابرین ملت اسلامیہ کا ایسا مجمع تھا کہ اپنی نوعیت میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا، مختلف صوبوں کے ڈیلی گیشوں میں چند مشہور حضرات کے اسمائے گرامی۔

صوبہ یو پی

آنریبل راجہ سر محمد علی صاحب محمود آباد[1]۔ آنریبل سید رضا علی صاحب مراد آباد[2]
آنریبل شیخ شاہد حسین صاحب لکھنؤ[3]۔ آنریبل سید وزیر حسن صاحب لکھنؤ[4]۔ خواجہ عبدالمجید صاحب بیرسٹر ایٹ لا علیگڈھ، السید فضل الحسن حسرت موہانی صاحب علیگڑھ[6]
غلام حسین صاحب آف کامریڈ لکھنؤ[7]۔

صوبہ بمبئی

آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب[8] آنریبل محمد علی جناح صاحب

صوبہ بنگالہ

آنریبل فضل حق صاحب کلکتہ[10]۔ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کلکتہ[11]
مولانا مجیب الرحمٰن صاحب ایڈیٹر مسلمان کلکتہ[12]۔ اکرم خاں صاحب ایڈیٹر محمدی، کلکتہ[13]۔

صوبہ مدراس

آنریبل نواب سید محمد صاحب[14] مدراس۔ یعقوب حسن سیٹھ صاحب مدراس[15]

صوبہ بہار

مظہر الحق صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب بانکی پور[16]۔
مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی مظفر پور[17]

صوبہ سرحد

اے بخاری صاحب پشاور

صوبہ پنجاب

سیّد محسن شاہ صاحب لاہور۔ مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری[18]

کانگریسی لیڈران میں سے چند معروف حضرات جو اس مسلم لیگ کے جلسہ میں شریک تھے،

سر ایس پی سنہا صاحب صدر کانگریس[19]۔ آنریبل ڈنشا واچھا صاحب[20]۔

آنریبل سریندر ناتھ بنرجی صاحب[21]۔ مسز اینی بسنٹ صاحبہ[22]

مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ[23]۔ آنریبل پنڈت مالویہ صاحب[24]

آنریبل بی، جی ہارنی مین صاحب[25] مسٹر ایم۔ کے گاندھی[26]

۲ بجے تک تمام ممبران لیگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ لیکن وزیٹر گیلری خالی تھی، جلسہ سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل مسٹر ایڈورڈس پولس کمشنر بمبئی نے پچاس سپاہی لاٹھیوں سے مسلح لیگ کے پنڈال کے سامنے ایک احاطے میں تیار رکھے تھے۔

اسکے بعد ہی فوراً مولوی عبدالرؤف[27] سکریٹری انجمن ضیاء الاسلام بمبئی جو وزیٹر گیلری میں تھے کھڑے ہوتے اور چلانے لگے کہ جلسہ مسلمانوں کا ہے نہ کہ ہندوؤں کا، اور اس کے بعد ایک شور و غوغا مچ گیا، لیکن فوراً ہی شور و شغب فرو ہو گیا ؛

اسی ہنگامہ کے دوران میں سردار سلیمان، حاجی قاسم مٹھا[28] جو کہ ابتداء سے لیگ کے اجلاس کو بمبئی میں منعقد کرنے کے خلاف تھے پلیٹ فارم کی طرف لپکے اور زور زور سے بولنے لگے۔ سردار صاحب کے پیچھے مولوی عبدالرؤف خاں صاحب پٹھان، عبدالصمد خان صاحب[29] اور دوسرے مسلمان بھی پلیٹ فارم کی طرف دوڑے۔ پٹھان عبدالصمد صاحب نے اعتراض کیا کہ کارروائی دوسری زبان میں نہ ہو، اردو میں ہو یا فارسی میں ہو

چند مسلمانوں نے پٹھان صاحب کو پلیٹ فارم پر چڑھا دیا۔ صدر صاحب نے اُن سے مصافحہ کیا، اور انہیں خاموش کیا اور انہیں یقین دلایا گیا کہ بقایا کارروائی اُردو میں ہوگی۔[30]

سردار سلیمان نے فرمایا، ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ کارروائی مسلم لیگ کی ہے مگر یہ سب کانگریسی ہیں۔

پھر چند مسلمان کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے پریسیڈنٹ کی شکل و صورت پر اعتراض کیا اور کہنے لگے کہ ہم کافر مسلمان پر کیسے بھروسہ کریں کہ جس کی داڑھی تک نہ ہو، سردار سلیمان صاحب کا غصہ اور بھی بڑھ گیا، اور فرمانے لگے کہ تم لیگ کو کانگریس میں ملا رہے ہو۔ اور کانگریسی لیڈروں کے حکم پر چل رہے ہو۔ لیگ کے اغراض و مقاصد کو تم نے خاک میں ملا دیا، اور لیگ کو تم تاریکی میں ڈبو رہے ہو۔ اور اس کو کانگریس میں تبدیل کر رہے ہو۔[31]

اس قسم کا ہنگامہ کافی دیر تک قائم رہا۔ اور مخالفین کارروائی کو روکتے رہے مجبور ہو کر صدر نے جلسہ کی کارروائی ملتوی کر دی۔

آخر اجلاس بجائے پنڈال کے تاج محل ہوٹل میں منعقد کیا گیا، لیگ کے ممبر اور اخبار کے نمائندوں کے علاوہ کسی اور کو اجازت داخلہ کی نہ تھی۔

مسٹر محمد علی جناح نے تجویز پیش کی کہ مندرجہ ذیل حضرات کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے، جو اصلاحات کی اسکیم کا مسودہ تیار کر لے اور کمیٹی کو اختیار دیا جائے کہ دیگر سیاسی جماعتوں سے بھی مشورہ کرے اور مسلمانوں کی ضروریات اور مفاد کا خاص طور پر اسکیم تیار کرنے میں خیال رکھے۔

مسٹر جناح نے توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کے کانسٹی ٹیوشن

میں نئی تبدیلیاں ہونے والی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں مسلم لیگ و کانگریس خاص طور سے کوئی خاص اسکیم تیار کریں، جس میں مسلمانوں کے مفاد اور ضروریات کے تحفظ کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے پھر وہ حکومت کی خدمت میں پیش کردی جائے، کہ یہی متحدہ ہند کے مطالبات ہیں[32]

کمیٹی کے چند ممبران کے اسمائے گرامی

صوبہ یو۔پی

راجہ صاحب محمود آباد۔ آنریبل سید رضا علی صاحب مراد آباد۔ صاحب زادہ آفتاب احمد خانصاحب علیگڈھ[33] ۔ایم اے خواجہ صاحب بیرسٹر۔علی گڈھ۔ منشی اطہر علی صاحب لکھنؤ[34] ۔ ظہور احمد صاحب بیرسٹر الہ آباد[35] منشی شوکت علی۔ لکھنؤ[36]۔ سید ظہور احمد لکھنوی[37] ۔ آنریبل سید وزیر حسن لکھنوی[38]

صوبہ پنجاب

آنریبل نواب ذوالفقار علی خانصاحب لاہور[39]۔ آنریبل میاں محمد شفیع صاحب لاہور[40] برکت علی صاحب لاہور[41] ۔مسٹر غلام محی الدین قصور[42]۔ آنریبل میاں فضل حسین صاحب لاہور[43] چودھری شہاب الدین صاحب لاہور[44]۔ بابو نظام الدین صاحب امرتسر۔ مولانا ظفر علی خانصاحب آف زمیندار لاہور[45]

صوبہ بنگالہ

آنریبل نواب سید نواب علی صاحب چودھری ڈھاکہ۔ مجیب الرحمٰن صاحب ایڈیٹر مسلمان کلکتہ نواب ناصر حسین خانصاحب خیال۔ کلکتہ[46] ۔ آنریبل فضل حق صاحب کلکتہ۔ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کلکتہ۔ مولوی محمد اکرم خان صاحب ایڈیٹر محمدی، کلکتہ

صوبہ بمبئی و سندھ

ہز ہائینس سر آغا خان صاحب ۔ آنریبل سر ابراہیم رحمۃ اللہ صاحب

آنریبل محمد علی جناح صاحب بمبئی ۔ عمر ثوبانی صاحب بمبئے[۲۷]

صوبہ مدراس

یعقوب حسن سیٹھ صاحب مدراس ۔ آنریبل سید محمد صاحب مدراس

نواب غلام احمد صاحب کلامی میسور۔

صوبہ بہار و اڑیسہ

سر سید علی امام صاحب بانکی پور[۲۸] ۔ مظہر الحق صاحب بیرسٹر بانکی پور

آنریبل محمد فخر الدین صاحب بانکی پور ۔ نواب سرفراز حسین خاں صاحب پٹنہ

ڈاکٹر سید محمود صاحب بانکی پور۔

صوبہ سی، پی

خان بہادر ایس۔ اے ملک صاحب ناگپور

صوبہ سرحد

عبدالعزیز خاں صاحب بیرسٹر پشاور

صوبہ برہما

حاجی محمد عبدالشکور جمال صاحب رنگون ۔ حاجی احمد ملا داؤد صاحب رنگون

صوبہ دہلی

ڈاکٹر انصاری صاحب دہلی ۔ مولانا محمد علی صاحب دہلی، حاذق الملک حکیم اجمل خاں صاحب دہلی

اس تحریک کی تائید آنریبل فضل حق صاحب نے فرمائی اور فرمایا کہ کل کے واقعات سے میں ہرگز بد دل نہیں ہوں، بلکہ جن حضرات کے نام کمیٹی میں پیش کئے گئے ہیں، وہ اپنی سیاسی قابلیت اور خلوص کی بنا پر مسلمانوں کے مخصوص لیڈر ہیں، اور انہیں

اللہ تعالیٰ نے اتنی اخلاقی جرأت دی ہے، کہ نیشنل کانگریس سے تبادلۂ خیال کے موقع پر مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ کرنے میں ہرگز دریغ نہ کریں گے۔

اس کے بعد مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے مزید تائید فرمائی۔

آنریبل سید آل نبی صاحب نے تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ اس بات کا اعادہ کرتی ہے کہ فرقہ وارانہ اور جداگانہ نمائندگی کا اصول تمام کونسل بالخصوص اور مجالس قانون ساز میں نافذ کیا جاتے اور جاری رہے، مسٹر یعقوب حسن نے اس کی تائید کی، مولانا حسرت موہانی نے اس کی مخالفت کی کہ جب لیگ و کانگریس میں اتحاد پیدا کرنا مقصود ہے، تو یہی تجویز اتحاد کے منافی نہ ہو جائے

اس کے بعد مسٹر جناح نے مخصوص تقریر کرتے ہوئے اس پہلو پر روشنی ڈالی محرکین سے اپیل کی کہ وہ اپنی ترمیمیں واپس لے لیں، ترمیمیں واپس لے لی گئیں اور تجویز کثرت رائے سے منظور ہو گئی

راجہ صاحب مرحوم —— جنہیں بعد میں مہاراجہ کا خطاب ملا، برطانوی ہند میں یہ خطاب پہلی اور آخری مرتبہ ایک مسلمان کو ملا —— بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، یوپی کے مسلمان تعلقہ داروں میں سب سے بڑے تھے اور اپنی دولت کا بڑا حصہ مسلمانوں کی خدمت پر صرف کرتے تھے۔

سر رضا علی،

یہ بھی یوپی کے تعلقہ داروں میں تھے، لکھنؤ کا مشہور روزنامہ ہمدم انہی کی ملکیت تھا۔

اللہ تعالے نے اتنی اخلاقی جرأت دی ہے، کہ نیشنل کانگریس سے تبادلہ خیال کے موقع پر مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ کرنے میں ہرگز دریغ نہ کرینگے۔

اس کے بعد مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے مزید تائید فرمائی۔

آنریبل سید آل نبی صاحب نے تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ اس بات کا اعادہ کرتی ہے کہ فرقہ وارانہ اور جداگانہ نمائندگی کا اصول تمام کونسل باڈیز اور مجالس قانون ساز میں نافذ کیا جاتے اور جاری رہے، مسٹر یعقوب حسن نے اس کی تائید کی، مولانا حسرت موہانی نے اس کی مخالفت کی کہ جب لیگ و کانگریس میں اتحاد پیدا کرنا مقصود ہے، تو یہی تجویز اتحاد کے منافی نہ ہو جائے

اس کے بعد مسٹر جناح نے مخصوص تقریر کرتے ہوئے اس پہلو پر روشنی ڈالی محرکین سے اپیل کی کہ وہ اپنی ترمیمیں واپس لے لیں، ترمیمیں واپس لے لی گئیں اور تجویز کثرت رائے سے منظور ہو گئی

راجہ صاحب مرحوم ——— جنہیں بعد میں مہاراجہ کا خطاب ملا، برطانوی ہند میں یہ خطاب پہلی اور آخری مرتبہ ایک مسلمان کو ملا ——— بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، یوپی کے مسلمان تعلقہ داروں میں سب سے بڑے تھے اور اپنی دولت کا بڑا حصہ مسلمانوں کی خدمت پر صرف کرتے تھے۔

سر رضا علی،

یہ بھی یوپی کے تعلقہ داروں میں تھے، لکھنؤ کا مشہور روزنامہ ہمدم انہی کی ملکیت تھا۔

۴ جو بعد میں سر کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ لکھنؤ چیف کورٹ کے چیف جج بھی بنے۔ ریٹائر ہونے کے بعد کانگریس میں شریک ہو گئے، اور مسلم لیگ کے حریف بن کر ۱۹۳۵ء کے انتخاب میں میدان میں آترے، لیکن بری طرح شکست کھائی۔

۵ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لندن میں جواہر لال کے ہم درس رہ چکے ہیں، اکثر کانگریسی ہیں۔

۶ یہ ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز پر چلتے رہے، زندگی کی آخری سانس تک بعض جائز شکایات کے باوجود ——— لیگ سے وابستہ رہے، تقسیم ہند کے بعد ہندوستان ہی میں رہے اور نعرۂ حق بلند کرتے رہے۔

۷ پنجاب کے رہنے والے، محمد علی کے عاشق اور فدائی، ان کے انگریزی اخبار "کامریڈ" میں شریک ادارت تھے۔ جوانی میں انتقال ہو گیا۔ محمد علی نے بڑا دلدوز مرثیہ لکھا، ایک شعر سن لیجیے۔

ابھی مرنا نہ تھا غلام حسین
کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

۸ بمبئی کے بہت بڑے صاحبِ ثروت شخص تھے، آزاد خیال، محبِ وطن، ملت پرست، مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ، جو پاکستان میں متعدد مناصب پر فائز ہو چکے ہیں، ان کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

۹ لیگ سے وابستگی ہمیشہ رہی۔

۱۰ کبھی اِدھر کبھی اُدھر، نتیجہ یہ کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔

۱۱ مولانا بھی شروع میں مسلمانوں کی اجتماعی تحریکوں میں برابر حصہ لیتے رہتے تھے۔

۱۲ ان کے خدمات ——— اختلاف فکر و نظر کے باوجود۔

۲۶ ابھی ابھی جنوبی افریقہ سے آئے تھے، غیر معروف اور گمنام ۔

۲۷ بڑے کٹر انیشنی کانگرسی تھے، طویل عمر پائی، تقسیم ہند کے بعد بمبئی میں انتقال ہوا۔

۲۸ بمبئی کے جوٹ کے سرمایہ دار، اول درجہ کے سرکار پرست ۔ شورش پسندوں کے سرگروہ ۔

۲۹ بمبئی میں پٹھانوں کی خاص تعداد آباد تھی اس کے زعیم مطلق ۔

۳۰ اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی قومی زبان ہر دور میں اور بھارت کے ہر گوشے میں ہمیشہ اُردو ہی رہی ۔

۳۱ سر سلیمان قاسم مٹھا ابھی زندہ ہیں، عمر نوّے کے لگ بھگ، لیکن زمانے کا انقلاب دیکھیے، تقسیم ہند سے کچھ پہلے سے کٹر کانگرسی بن گئے ۔ حالانکہ کانگرسی ہونے کے جرم میں اپنے ایک بیٹے کو ۲۲ء میں عاق کر دیا تھا ۔

ے میرے تغیّر رنگ پر مت جا
انقلابات ہیں زمانے کے

۳۲ یہی بات قائداعظم اس وقت تک کہے گئے، جب تک بالکل مایوس نہ ہو گئے

۳۳ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پہلے وائس چانسلر ۔

۳۴ مخلص قومی کارکن تھے، مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انہی نے سر وزیر حسن کو صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں شکست فاش دی تھی ۔

۳۵ خلافت کے مخلص کارکن،

۳۶ لکھنؤ خلافت کمیٹی کے صدر،

۳۷ برسہا برس تک مسلم لیگ کے سکریٹری رہے ۔

۳۸ جو لیگ کے زینے پر چڑھ کر ہائی کورٹ کے جج بنے ۔ اور پھر اس زینے کو گرا دیا ۔

۳۹ہ ہر قومی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔

۴۰ہ وائسرائے کی ایگزیکیٹو کونسل کے ممبر بھی دو مرتبہ نامزد ہوئے، بیگم شاہنواز کے والد۔

۴۱ہ زندگی کے آخری سانس تک مسلم لیگ کے مخلص اور قائدِ اعظم کے جاں نثار رہے۔

۴۲ہ اب سیاست سے کنارہ کش ہیں،

۴۳ہ پنجاب کا مردِ آہن۔

۴۴ہ پنجاب اسمبلی کے مستقل صدر۔

۴۵ہ لیگ سے مولانا کی وابستگی بھی بہت قدیم ہے۔

۴۶ہ اُردو کے مشہور اور صاحبِ طرز ادیب۔

۴۷ہ جنہوں نے خلافت کے انگورہ فنڈ میں اور کانگرس کے سوراج فنڈ میں ایک ایک لاکھ چندہ دیا، ساری دولت قوم پر لٹا دی۔

۴۸ہ ہندوستان کے چوٹی کے قانون دان، مخلص مسلمان، حیدرآباد کے سابق وزیرِ اعظم آخر میں یہ بھی لیگ سے کٹ کر کانگرس میں شریک ہو گئے تھے۔

قلزمِ ہستی میں تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اقبال

۱۹۱۶ء

جب مسٹر جناح "سفیر صلح" تھے ـــــ

ہندو قیادت سے فلاح و صلاح کی امیدیں ـــــ

مردِ رہرو را بہ منزل راہ نیست!
از مقاصد جان او آگاہ نیست

لکھنؤ کے اجلاس لیگ کا خطبۂ صدارت!

میثاق لکھنؤ!

کانگرس نے پہلی بار مسلمانوں کا وجود تسلیم کیا

۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۶ء

مسلم لیگ کا نواں اجلاس مسٹر جناح کی زیرِ صدارت بہ مقام لکھنؤ منعقد ہوا۔ اس موقع پر وہ تجویز منظور ہوئی جو "میثاق لکھنؤ" کے نام سے تاریخ کا حصّہ بن چکی ہے۔

اس موقع پر قائدِاعظم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ ۱۹۱۶ء میں بھی انہوں نے وہی کہا جو ۱۹۴۶ء میں کہا کرتے تھے، لیکن ۱۹۱۶ء میں وہ محبِ وطن اور سفیرِ صلح تھے اور ۱۹۴۶ء میں ملک کے دشمن اور اتحادِ باہمی کے مخالف۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا۔ جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! اس عظیم الشان سالانہ اجلاس کے موقع پر اسلامی ہند کے نمائندگان کے سامنے ان حالات کا وسیع جائزہ لینا نامناسب نہ ہوگا، جن کے سانچے میں ہماری قسمت ڈھل رہی ہے۔ اس موقع پر ہمیں گذشتہ سال کی کارروائیوں پر نظر ڈالنی ہے۔ پچھلے سال کے تجربات کی روشنی میں ہمیں اپنی حیثیت کا امتحان کرنا ہے، اور مستقبل کے مقتضیات کے لئے ہمیں دانشمندانہ تیاری کرنی ہے، اور سب سے بڑھ کر یوں کہئے کہ ہمیں اپنی مرادوں کو بار آور دیکھنا ہے، انسانیت کے مقاصد مشترکہ کی خاطر شریف

اور بہادر انسانوں نے ہر زمانے میں مصائب برداشت کیئے ہیں، اور وہی رُوح آج ہندوستان کے قلب کو گرما رہی ہے، سارا مُلک آج اپنی قسمت کی آواز پر بیدار ہو رہا ہے اور پُر امید ہو کر آفاقِ نو کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ الیقین و استقلال کی رُوح ہر طرف چھائی ہوئی ہے، چار سو حیاتِ نَو کے آثار ہویدا ہیں، اگر ہندی مسلمانوں نے وقت کی نبض کو نہ پہچانا اور اس نئی زندگی سے پُورا پُورا فائدہ نہ اُٹھایا اور اگر مُلک کی آواز پر کان نہ دھرے تو وہ اپنی گذشتہ روایات سے غداری کے مجرم ہوں گے۔

ہندوستان کے مستقبل، ہندوستان کے اتحاد، کانسٹی ٹیوشن آزادی کی جدوجہد کا دارومدار بڑی حد تک انہی فیصلوں پر ہوگا، فیصلہ کے وقت آن پہنچا ہے۔ راہیں صاف طور پر کھلی ہیں، اور انتخابات ہمارے ہاتھ میں ہے۔

اب ہمیں ہندوستان کی تعمیرِ نَو کا بیڑا اُٹھانا ہے، ہندوستانی مسئلہ کے عملی حل کے لئے دو امور نمایاں طور پر آشکارا ہیں۔ اوّل یہ کہ ہندوستان میں مغربی طرز کی انگریزی حکومت نے مغربی تعلیم رائج کر کے ہمیں افکارِ مغرب سے روشناس کرایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے ذہنی اور اخلاقی احیاء کے لئے ایک زندہ اور عظیم الشان تحریک نے جنم لیا ہے، مختصر یہ کہ ایک طرف طاقت ور اور قابل انگریز افسروں کی جماعت ہے، جن کا طرزِ حکومت بظاہر مشفقانہ رنگ لیئے ہوتے ہے اور جو کہ صرف برطانوی پارلیمنٹ کے روبرو اپنے اعمال کی جواب دہ ہے، دوسری طرف عوام ہیں جنہیں اپنے نصب العین کا پُورا پُورا علم ہو چکا ہے، اور وہ سیاسی آزادی کے لئے پُر امن طریق پر جدوجہد کر رہے ہیں، یہ ہے ہندوستانی مسئلہ چند الفاظ میں، انگریزی مدبر کے سامنے یہ کام آن پڑا ہے، کہ وہ اس مسئلہ کا فوری پُر امن اور پائیدار حل تلاش کرتے

اگر سیاسی اور معاشرتی گتھیوں کو سلجھانے کا کام جذبات کو الگ کر کے محض عقل کی روشنی سے لیا جانا ممکن ہوتا تو ہندوستان کے سیاسی ارتقاء کے لئے ایک

یقینی اور پُر سلاست راہِ عمل کا دریافت کر لینا مشکل نہ تھا، لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ انسانی معاملات میں خالص منطق ہی اثر انداز نہیں ہوتی، ہم اپنی مشترکہ دنیاوی زندگی فرشتوں کے ساتھ بسر نہیں کرتے ہیں، بلکہ انسانوں کے ساتھ جو کہ جذبات تعصباتِ ذاتی خصوصیات اور لاتعداد خیالات بیم و رجا ترغیب و تحریص اور محبت و نفرت کے حامل ہوتے ہیں۔

ہندوستانی مسئلہ ان تمام عقدہائے گوناگوں سے مملو ہے، انگریزی عمالِ حکومت قدرتی طور پر قدامت پسند ہیں، اور انتظامی تغیرات و سیاسی تجربات کو بہت خطرناک سمجھتے ہیں اور ہندوستانیوں کو انتظام سلطنت میں حصہ دینے سے گھبراتے ہیں، نیز اپنے اختیارات میں کمی پسند نہیں کرتے، حکومت کی مشنری کو حسبِ معمول آرام سے چلانا چاہتے ہیں، اور اپنے روزانہ فرائض کی ادائیگی سے مطمئن نظر آتے ہیں، ہندوستان کی پُر یقین و بےچین آوازیں انہیں پریشان و آزردہ خاطر کر دیتی ہیں، یہ سب کچھ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے، لیکن یہ امور حلِ مشکلات کی راہ میں بہت بری طرح حائل ہیں، اور عملاً طبقاتی جنگ کو ترقی دینے میں ممد ہیں، انہی اسباب کی بناء پر بعض غلط محض سیاسی مقولے رواج پا گئے، جو ہندوستانی محبِ وطن کو سنائے جاتے ہیں مثلاً :

۱۔ جمہوری مجالسِ مشرق میں بارآور نہیں ہو سکتیں، کیوں ؟ کیا ہندو مسلمان قبل ازیں جمہوریت سے ناآشنا تھے، وہی پنچایت کیا تھی ؟

اسلامی تعلیمات کی درخشندہ روایات و ادبیات کس امر پر شاہد ہیں، دُنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو کہ اپنے مذہب میں بھی جمہوری نکتہ نگاہ رکھتے ہیں۔

۲ ۔ بیوروکریسی ہی ہندوستان کے لئے مناسب طرزِ حکومت ہے، تاریخ عالم میں ہر قوم اس دَور سے گزری ہے، چند سال ہوتے کہ ایک حد تک روس نے اس سے گلو خلاصی حاصل کر لی، فرانس اور انگلستان کو بھی بیوروکریسی کو شکست دینے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی اور اب چین و جاپان نے بھی جمہوری طرزِ حکومت کی بنیاد ڈالی ہے تو کیا ہندوستان ہمیشہ اسیر بلا رہے گا؟

۳ ۔ (ا) ہندی تعلیم یافتہ طبقوں کے مفاد ہندی عوام کے مفاد سے متضاد ہیں۔
(ب) اگر انگریزی افسر علیحدہ کر دیئے جائیں تو تعلیم یافتہ طبقہ عوام پر ظلم کریگا لہٰذا ہمارے عوام کے مفاد انگریزی عمال کے ہاتھوں میں محفوظ ہیں۔ ان انگریزی عمال کے ہاتھوں جن کا کوئی مفاد بھی ہمارے عوام کے ساتھ مشترک ہیں، اور یہ کہ ہمارے مفاد مخالف ہیں، لیکن کس لحاظ سے یہ کبھی نہیں بتایا گیا، یہ نارَوا اور مکروہ خیال اسلئے پھیلایا جا رہا ہے کہ انگریزوں کا اجارہ تادیر قائم رہے، لیکن خیال حقائق کی روشنی میں باطل ٹھہرتا ہے۔

ہندوستان کے داخلی حالات کی نظیر بھی شاید تاریخ میں نہیں ملتی، اس وسیع برِّ اعظم میں ۳۵ کروڑ سے زیادہ مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں جن کا تمدن بھی ایک دوسرے سے الگ ہے، اور جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں یہ عظیم الشان سیاسی مجمع ایک ہی سیاسی ماحول میں رہ کر ذہنی اور اخلاقی ترقی کی منازل متفرقہ پر گامزن ہے، اس کا نتیجہ اختلافِ خیال ہے ہر ہندی قوم پرست جو ہندی قومیت کے مسئلہ پر غور کرتا ہے، اس کام کی مشکلات کا پورا پورا احساس رکھتا ہے، وہ صاف صاف ان مشکلات کو تسلیم کرتا ہے لیکن وہ ان مواقع سے گھبراتا نہیں، ان جملہ امور کے باوجود کوئی دلیل اور رنگ و نسل کے متعلق کوئی جعلی نظریہ اس حقیقت کو ہندی مسائل کے طالب علم کی نگاہوں سے اوجھل نہیں کر سکتا کہ ہندوستان ہی ہم سب کی

پہلی اور آخری منزل ہے، جلد یا بدیر ہندوستانی ضرور حکومت خود اختیاری حاصل کر کے رہیں گے، دُنیا کی کوئی طاقت اس راہ میں حائل نہیں ہوسکتی، اور یہ ایک اٹل بات ہے، انگریزی تدبّر ابھی تک دیوالیہ نہیں ہوا ہے کہ وہ سیاسی بصیرت کھو بیٹھا ہو، اس لئے وہ مجبور ہوگا کہ ہندوستانی نظامِ حکومت میں خاطر خواہ تبدیلی کرے یہ بالکل لازمی چیز ہے، اور ہو کر رہے گی، پھر آنکھیں کیوں بند کر لی جائیں اور اس کے خلاف کیوں صف آرائی کی جائے؟ کیوں نہ دیانتداری سے صاف صاف شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے جو فلسفہ سیاست کے علم کی شیخی بگھارتا ہے اور مشرقی معاملات پر رائے دینے کا جنون رکھتا ہے، تو کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا کہ ہندوستانی ذہنیت کے لئے ہمیشہ ذہنی غلامی میں مبتلا رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ جب خدا نے ہندوستانیوں کو قدرتی اچھوت نہیں بنایا اور جب کہ قوانین فطرت ان پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں، جبکہ وہ حال کی قومی ضروریات کا احساس اور مستقبل کے لئے بڑی بڑی اُمید رکھتے ہیں تو حکومت خود اختیاری سے کچھ کم ان کو مطمئن نہیں کر سکتا عدم صلاحیت کی ہرزہ سرائی اب ختم ہو جانی چاہیئے، قوانین فطرت اور اصول انسانیت مشرق میں مغرب سے مختلف نہیں ہیں۔

ہندوستانی ترقی کے رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ ہندی حکمرانوں سے مطالبہ کریں کہ وہ ہندوستان کا نصب العین متعین کریں اور پھر معیار مقررہ میں اُسے تیز رفتاری سے حاصل کریں۔

آج سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان آزادی کے قابل ہے، اور اگر ہے تو کس حد تک؟ اس وقت اس معاملہ کو کھٹائی میں نہیں ڈالا جا سکتا، آج ایک طرف

فیصلہ ہو جانا چاہیئے، اگر وہ آج اس قابل نہیں ہے تو اُسے حکومت خود اختیاری کے قابل بنانا پڑے گا۔

کیا ہندوستان آزادی کے قابل ہے ہم خوب جانتے ہیں کہ ہندوستانی نکتہ نگاہ سے اس کا صرف ایک ہی جواب ہے، ہمارے نقاد غالباً ایسے قبول نہ کریں گے، ہمارا بس یہی جواب ہوگا کہ بس پیش قدمی کیجیے اور معاملہ کو ثبوت کی کسوٹی پر پرکھیئے، بالآخر صلاحیت کا امتحان کیا ہے۔ اگر ہم تاریخ پر نگاہ کریں تو معلوم ہوگا کہ وہی قومیں آزادی کے قابل تصوّر کی گیئں، جنھوں نے کامیابی کے ساتھ آزادی کے لیئے جنگ کی۔ لیکن آج دوسرے قسم کے زمانے سے گزر رہے ہیں، آج امن فتح مند ہوتا ہے، یہ پُر امن جہاد، جوش و خروش کے اوصاف میں ممتاز ہے، اور ہوگا ہم اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ ہم برطانوی حکومت پر ثابت کر دیں گے کہ ہم برطانوی سلطنت میں ایک مساوی شریک کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہندوستان اس سے کسی کم سودے پر راضی نہیں ہوگا۔

تجدید علی کا سب سے زیادہ پُر اُمید پہلو یہ ہے کہ ہندو مسلمان مشترکہ مقصد کے لیے متحد ہو رہے ہیں بمبئی کی خوش نصیبی ملاحظہ ہو کہ گزشتہ دسمبر میں پہلی بار لیگ و کانگریس کا اجلاس اسی شہر میں ہوا، بڑی کٹھن منازل طے کرنے کے بعد اس اتحاد کا مظاہرہ نظر آیا میں گزشتہ نزاعات کی تاریخ دہرانا نہیں چاہتا، لیکن میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں، کہ بمبئی میں لیگ کا اجلاس ہمارے اخلاف کے لیئے خاص دلچسپ نتائج کا حامل ہوگا، آج پھر لکھنؤ کا تاریخی شہر جو کہ اسلامی ادب و تہذیب کا گہوارہ ہے، کانگریس اور لیگ کے متحدہ اجلاس کا منظر پیش کر رہا ہے۔ لیگ مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کے لیئے وجود میں آئی، جسے مسلمانوں نے تب تک کسی سیاسی تحریک

میں بھی عملی حصّہ نہیں لیا تھا۔

اب قدرتی طور پر اصلاحات کے پُرزور مطالبات نے مسلمانوں کو بھی جگا دیا، اپنی تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی، کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں اصلاحات مسلم قوم کے وجود کو ہی نہ محو کر دیں، لیگ کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ ہندی مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کو برقرار رکھا جائے۔ اس اصول نے سیاسی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہماری قوم میں بڑی مقبولیت حاصل کی، ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں لیگ کا یہ عمومی نکتہ نگاہ اور مطمع نظر ہے کہ لیگ ملک کی عام ترّقی کے لئے کانگرسی تحاریک کی تائید کرے گی، جن کی اساس حبِّ وطن پر ہوگی۔ واقعہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اتحاد پر آمادگی میرے خیال میں اس ضرورت کا احساس دلاتی ہے کہ مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی انجمن کا وجود کس قدر قیمتی ھے۔ یہ خیال رہے کہ مسلمانوں کو سیاسی میدان میں آئے ہوئے صرف بیس ہی برس ہوتے ہیں۔ میں اپنی قومی زندگی میں پکا کانگرسی رہا ہوں اور فرقہ واری سے کبھی مجھے کوئی شغف نہیں رہا۔ لیکن میرا خیال ھے کہ مسلمانوں پر فرقہ واری کا الزام غلط ھے، جبکہ مسلمانوں کی یہ جماعت تیزی سے جادہ ترقی طے کر رہی ہے، اور متحدہ ہندوستان کی تخلیق میں ایک اہم جزو ہے۔ میرے اور مسلمان قوم پرستوں کے لئے یہ بیحد خوشی کا مقام ھے کہ ہندو قوم کے رہنماؤں نے خوشی خوشی مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا ھے، لیگ اور کانگریس کی مجالس منتخبہ کے متفقہ فیصلہ نے اس امر پر مہر تصدیق ثبت کر دی ھے، لکھنؤ میں ہمارا متحدہ اجتماع ہوا کہ ہم اپنے اختلافات کا دائمی حل تلاش کریں اور مجھے بڑی مسرّت ہے کہ ہندو مسلم